قرآن کریم کا تصورِ انسانیت

پروفیسر ابو سفیان اصلاحی *

Abstract

In the Quran, where other basic matters are of importance, the concept of human being has been given eminence and superiority over all other issues. As being the main topic of the Quran, the holy book has talked about the various aspects concerning man, giving them special significance. Islam presents a clear and worth to be followed concept regarding human values and family life. Especially, the perception of respecting humanity propounded by Islam is unrivalled and other nations are bereft of it. Islam firstly laid the foundations of a system based on equality of human race and dignity. It is after this that the religion of Islam gave innumerable rights to humans in religious, moral, economic, social and political fields. Islamic concept of human rights and freedom is universal and based on fairness, having no consideration of historical and geographical boundaries of time and space. Islam's human rights charter is granted by the Allah Almighty, Who is the God of the whole universe, and this message was delivered by Allah through the last prophet Hazrat Muhammad (pbuh) to common people. The rights given to man by the religion of Islam have been granted as a reward by Allah the Most High. An effort has been made in this research paper to describe the Quranic concept of humanity in the context of family besides alluding to the significance of relations in the formation and development of society as well as pointing to individual responsibilities regarding human rights imposed at societal level.

Key words: Islam, Values and traditions, Family, Humanity, Respect, Broad-mindedness, Tolerance

دین اسلام کی آفاقیت اور ہمہ گیریت کو ہدف تنقید بنانے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے لیکن ان معاندین ومخالفین نے اسلام کی اس حقیقت اور اس کی شبیہ کو کچھ نقصان پہنچایا ہو ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ اس دین قیم کی کشش اور ہمہ جہتی اسی طرح قائم ودائم ہے۔ صرف اس لیے کہ اس کے حقائق کا دوسرا نام اقدار انسانیت ہے۔ اس کا ہر حکم فلاح انسانیت کی ضمانت ہے۔ وہ انسانوں کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہے، قسطاس مستقیم کے

* شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، انڈیا

ذریعہ معاشرتی اوصاف کے تئیں اپنا حکم صادر کرتا ہے۔ دنیائے ظلم و تشدد اور قتل و خون ریزی کی جڑیں کاٹ کر اسے امن و آشتی اور فرحت و انبساط کا گہوارہ بنانے کا خواست گار ہے۔ ہر انسان اس کے نزدیک مکرم و محترم اس کی عزت و آبرو کی حفاظت اس کی ذمہ داری اور اس کے درد کا درماں تلاش کرنا اس کا فریضہ ہے۔ دین اسلام ایک صاحب ایمان اور غیر صاحب ایمان میں کسی طرح کا امتیاز نہیں برتتا۔ قرآن کریم میں انسان کی انفرادی زندگی اور اس کی معاشرتی زندگی دونوں کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ ایک انسان کی اپنی ذمہ داریاں کیا ہیں اس پر والدین کے کیا حقوق ہیں۔ بچوں اور بیوی کے کیا مطالبات ہیں۔ وہ اپنے اعزاء سے کس طرح پیش آئے گا، اہل خاندان کے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا، اپنے ہمسایوں کی ساتھ کس طرح رہے گا۔ اپنے شہر والوں کے ساتھ اس کا کیا سلوک ہوگا۔ اپنے ملک کے تئیں اس کی کیا خدمات ہوں گی اور اس سے اوپر اٹھ کر دنیائے انسانیت کی تعمیر میں اس کا کردار کیا ہوگا؟ یہ دین اسلام کی ایک حیثیت اور یہ ہے ایک مقام اس کے نزدیک انسان کا جس کا خلاصہ سیرت پاک ﷺ میں یوں کیا گیا ہے۔ سب سے عظیم ترین وہ شخص ہے جس کی فیض رسانی بغیر کسی امتیاز کے تمام انسانوں کے لیے جاری و ساری ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دنیائے انسانیت کے لیے ملتمس ہے: أَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْک وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِيْ الْأَرْضِ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْن [۱] (جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے تم بھی احسان کرو اور زمین میں فساد مت چاہو، کیوں کہ اللہ مفسدین کو پسند نہیں کرتا)۔ علامہ اقبال نے اس کی ترجمانی کرتے ہوئے بجا کہا ہے کہ ''درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو'' اللہ نے امت مسلمہ کو خیر الامم بنایا ہے لیکن یہ خیر امت ہونے کا شرف مشروط ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ [۲]

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں دو نکتے ہیں ایک تو یہ کہ ملت اسلامیہ تمام ملتوں سے افضل و اعلیٰ ہے لیکن یہ افضیلت اسے اس وقت حاصل ہوگی جب وہ دنیائے انسانیت اور اپنے اعزاء و احباء کے کام آئے۔ اس کے مصائب و شدائد میں حصہ دار ہو اور اس کی دینی اور اخروی فلاح کے لیے کوشاں ہو کیوں کہ قرآن کریم میں آیا ہے: ''قُوا اَنفسکُم وأهلِيکُم ناراً'' [۳] (خود کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ)۔ ملت بیضاء کا حسن سلوک تمام مذاہب و مسالک کے ساتھ یکساں ہوگا لیکن تالیف قلب کی رعایت کی رو سے اس کا دست اعانت پہلے غیر مسلمین کی طرف بڑھے اسی تالیف قلب، اپنی آفاقیت اور عالمی مواخاۃ کی وجہ ہے کہ وہ عرب جو اپنی

قبائلی عصبیت کی بناپر معمولی باتوں کو لے کر مستقل بر سر پیکار رہا کرتے تھے وہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ ان کی سنگ دلی کافور ہو گئی۔ گویا نرم مزاجی، صدق دلی اور مساوات اسلام کی شناخت ہے۔ قرآن کریم میں ''ادخلوا فی السلم کافۃ''[۴] کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مکمل سکون اور دنیاوی شدائد سے تحفظ کا تمنائی ہے تو وہ آغوش اسلام کو اپنا ماویٰ وملجا قرار دے۔ یہی آغوش اسلام در اصل آغوش امن اور گہوارہ قرار ہے۔ کیوں کہ دنیا کے تمام قوانین خود ساختہ ہیں اور قوانین اسلام کا تصور انسانیت تصور ربانی ہے۔ یہی الہام ربانی قرآن کریم کی زبان میں یوں ہے:

اِذْ کُنْتُمْ اَعْداءً فَاَلَّفَ بَینَ قُلُوبکم فَأصْبَحتُم بِنِعمَتِہ إخوانا [۵]

یاد کرو جب تم (آپس میں) دشمن تھے تو ان کے دلوں میں محبت انڈیل دی۔ پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔

مذکورہ آیت کریمہ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دین اسلام کی آمد کا مقصد وحید یہ ہے کہ دنیا سے عداوت وقساوت کا خاتمہ ہو یہاں کوئی کمزور سے کمزور شخص بھی کسی سے ہراساں نہ ہو۔ یہ دین رحمت خوف ودہشت سے پرے ایک ایسا ماحول برپا کرنے کے لیے کوشاں ہے جہاں دینی وفکری آزادی ہو، فتنہ وفساد کا شائبہ نہ ہو، قرآن کریم کی نظر میں '' وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ''[۶](اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین ہے)اور '' وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ''[۷](اور فتنہ قتل سے بھی عظیم ترین ہے) فساد فی الارض پر جگہ جگہ قرآن میں پکڑ کی گئی ہے۔[۸] معاشرتی ماحول متعصبانہ قدغن سے آزاد ہو، دین اسلام تعصب، علاقائیت اور وطنیت کا حریف ہے۔ ابطال غلامی کے سلسلے میں اس کی خدمات بے پناہ ہیں۔ سرسید (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) نے ابطال غلامی کے موضوع پر عالمانہ گفتگو کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس کے مزاج میں حریت کاملہ شامل ہے۔[۹] مولانا سعید اکبر آبادی نے ''الرق فی الاسلام'' میں دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ اسلام نے معاشرے کو سلاسل غلامی سے آزاد کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔[۱۰] سرسید کے ساتھ ساتھ جمال الدین افغانی نے بھی اپنے رسالہ ''العروۃ الوثقی'' میں تعصب پر سخت تنقید کی ہے اور اسے دین اسلام کی ضد بتایا ہے۔[۱۱] حدیث رسول ﷺ ہے کہ ''لیس منا من دعا الی عصبیۃ'' کہ جو شخص عصبیت کو ہوا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ سرسید نے بھی تعصب کے موضوع پر تہذیب الاخلاق میں تصور اسلام کو پیش کیا ہے۔[۱۲] اسلامی قوانین میں پوری انسانیت کا پورا پورا خیال ہے۔ سورۃ البلد میں ابطال غلامی پر زور دیتے ہوئے دیگر انسانی اقدار پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاکَ مَا الْعَقَبَةُ فَکُّ رَقَبَةٍ[13] أَوْ إِطْعَامٌ فِیْ يَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ يَتِيْماً ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مِسْکِيْناً ذَا مَتْرَبَةٍ ثم کان من الذين آمنوا وتواصوا بالصبر وَتَوَاصوا بِالْمَرْحَمَةِ أولٰئِکَ اَصْحَابُ الْمَيْمَنة [14]

سواس سے نہ ہو سکا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا اور تو کیا سمجھا کہ گھاٹی ہے کیا؟ کسی کی گردن (غلام لونڈی) کو آزاد کرنا، یا بھوک والے دن کھانا کھلانا کسی رشتہ دار یتیم کو یا خاکسار و مسکین کو، پھر ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان لائے۔ اور ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے یہی لوگ ہیں دائیں بازو والے (خوش بختی والے)۔

مذکورہ آیات کریمہ میں کئی انسانی مسائل کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ آج سے پندرہ سو سال پہلے انسانیت کو درپیش سب سے سنگین مسئلہ غلامی تھی، انسان اپنے ہی بھائیوں کو خریدتا اور ان کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرتا، ان کا وجود نجس تصور کیا جاتا اور اُنھیں قتل کرنے کی اجازت ہوتی۔ اس قتل عمد کی کوئی دیت اور خون بہا نہ تھی۔ اس کے خلاف سب سے پہلے موثر آواز اسلام نے بلند کی اور ''العقبہ'' کے ذریعہ یہ بتانے کی کوشش کی کہ کسی انسان کو قلادہ غلامی سے گلو خاصی دلانا ایک عظیم اور لائق ستائش کام ہے اور آزادی گردن کا فریضہ انجام دینے کے بعد فاقہ زدگی کے ایام میں لوگوں کو کھلانا بھی ایک کار خیر ہے۔ فاقہ زدگی کہہ کر قرآن کریم نے حقیقتاً یہ وضاحت کی ہے کہ اللہ کے بندے زندگی کے جس میدان میں بھی تڑپتے اور بلکتے ہوئے نظر آرہے ہوں اس پر حرکت میں آجانا اور مضطرب ہو جانا ایک صاحب اسلام کا فریضہ ہے۔ اور اسی طرح اگر کوئی رشتہ دار یتیم ہو تو اس کی یتیمی پر ترس کھانا اور اس کے لیے آسائش حیات مہیا کرنا ایک مومن کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ یہاں یہ نکتہ پیش نظر رہے کہ یتیم رشتہ دار مسلم ہو یا غیر مسلم دونوں کی یتیمی قابل لحاظ ہے۔ قرآن کریم اپنی آفاقیت کی مزید تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر کسی مسکین وحاجت مند کے جسم وجان سے افلاس کا اظہار ہو رہا ہو تو اس کی اعانت اور دست گیری ہمارا اولین مقصد ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز میزانِ مومن کی سب سے وزنی چیز حسن اخلاق ہوگی۔ اور یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک خوش خلقی سب سے بڑا حسد ہے۔ ایک حدیث میں اسی مفہوم کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ''اکمل المومنین! ایماناً واحسنکم اخلاقاً'' کہ سب سے مکمل ترین وہ مومن ہے جس کا ایمان مستحکم ہو اور اخلاق میں سب سے نمایاں ترین ہو۔ [15] اسی مفہوم کو سورۃ الحج میں ''اَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ''[16] کہا گیا ہے۔ [17] یعنی جو دانا دانا کا محتاج ہو اس کے رہن سہن اور کھانے پینے پر توجہ دی جائے۔ ان مسائل میں کلی عمومیت ہے۔ اسلام کا یہ رویہ تمام ملل وفرق کی ساتھ یکساں ہے۔ وہ سب

کو دائرہ مساوات میں صف بہ صف دیکھنے کا آرزو مند اور ہر قافلۂ انسانیت کو اسلام میں شامل کرنے کے لیے فکر مند ہے۔ وہاں مہ و کہہ کی تفریق نہیں ہے۔ بس تقویٰ ہی امتیاز و افتخار کی ضمانت ہے۔

یہی تصور سورۃ الماعون میں بھی دیا گیا ہے۔ جس میں انسانی اقدار کا پورا پورا پاس و لحاظ ہے۔ اسی انسانی اقدار کے پیش نظر اس کا ایک نام ''سورۃ الیتیم'' بھی ہے [18] کیوں کہ قرآن کریم میں یتامیٰ و مساکین کے ساتھ ترحم و تلطف پر خاصا زور دیا گیا ہے۔ معاشرے کے ان لوگوں کو قرآن کریم نے ہدف تنقید بنایا ہے جو یتامیٰ کو دھکے دیتے اور ان کے ساتھ قساوت قلبی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اسی طرح مساکین کے دگرگوں حالات اور پریشان کن معاملات پر قرآن کریم نے اہل خیر سے ترس کھانے اور اُنھیں شکم سیر کرنے پر اکسایا ہے۔ امراؤ و رؤساء کو نہ صرف یتامیٰ و مساکین کے ناگفتہ بہ احوال پر دستِ تعاون بڑھانے کی تعلیم دی ہے بلکہ دوسروں کے اندر یہ جذبہ خیر پیدا کرنے کی تاکید بھی کی ہے۔ گویا اہل فلسطین اور روہنگیا کے مسلمانوں کو نہ صرف خود مدد کرنا بلکہ اس کے لیے ایک فضا بھی ہموار کرنا اہل ایمان کے واجبات میں سے ہے کہ مظلومین کی جان و مال سے مدد کرنے کے لیے پیش قدمی کا ثبوت دیں۔ اسی کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ افسوس کہ معاندین اسلام نے اسے بربریت اور جبر و ظلم سے تعبیر کیا ہے۔ کیا ان مخالفین اور مستشرقین کے پیش نظر یہ تاریخی دستاویز نہیں ہے کہ فتح مکہ کے وقت اعداء اسلام سہمے ہوئے اور ترساں و لرزاں تھے۔ ان کے جبر و ظلم کی پاداش میں ان کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ آج ہوگا یہ سوچ سوچ کر ان کی نیندیں حرام ہوگئی تھیں لیکن کفار و مشرکین کے تمام وسوسے غلط ثابت ہوئے اور اللہ کے رسول ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ ''انتم الطلقاء'' کہ تم سب آزاد ہو، یہ سن کر معاندین اسلام کو چین نصیب ہوا۔ دراصل یہی اسلامی مزاج ہے جو استشراقی تصویر کے برعکس ہے۔ اسلامی ریاست میں اگر کسی معاہد کو بلاوجہ کوئی قتل کرتا ہے تو حدیث رسول ہے کہ اس پر جنت حرام ہو جاتی ہے۔ یہی تو قرآنی معاشرتی اقدار ہیں۔ ''سورۃ الیتیم'' نے یتامیٰ و مساکین کے دکھ درد سے بے التفاتی برتنے والوں کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے:

فَذَلِک الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَلَا یَحُضُّ عَلَی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ [19]

یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکا دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔

قرآن کریم میں انسانی اقدار کے فروغ کی مختلف شکلیں ہیں اور یتامیٰ و مساکین کے مسائل کو حد درجہ قابل لحاظ قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ الضحیٰ میں بھی یتیم کے ساتھ موانست و مساعدت کی بات کی گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک سوالی کی منزلت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے:

فَأَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ [20]

پس یتیم پر سختی نہ کرو اور سوال کرنے والے کو مت جھڑ کو۔

اس میں ''فلاتقہر'' لاکر یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یتیموں کے ساتھ ذرہ برابر بھی ظلم و تشدد روا نہیں ہے چہ جائیکہ ان پر کوہ الم ڈھایا جائے اور اسی طرح اگر سائل بہت سوال کرتا ہے تو اسے جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے۔آپ اسے نہ دیں لیکن اس کی تحقیر و تذلیل کا کوئی حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ یہاں یہ نکتہ بھی پیش نظر رہے کہ یتیم و مسکین کی ساتھ کسی مذہب و مسلک کی قید نہیں لگائی گئی ہے بلکہ اس کا تعلق خواہ کسی سرزمین، خواہ کسی قوم سے ہو وہ اس کی دست گیری کی بات کرتا ہے۔انسانی اقدار اس کے نزدیک حدود اور خطوں سے بالاتر ہیں اسی لیے اسے بین الاقوامی درجہ حاصل ہے۔اسلامی اسٹیٹ کے گرجاگھروں، عبادت گاہوں اور منادر کی حفاظت مسلم سربراہوں کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ مختلف المسالک لوگوں کی عزت وآبرو کو بچانا اس کا فریضہ ہے۔اسی یتیم کو قرآن نے اس کے تئیں نہایت متانت کا ثبوت دیا ہے۔ سورۃ الانعام اور سورۃ الاسراء میں یتامی کی جائداد اور نگہ داشت کو اسلامی فریضہ قرار دیا گیا ہے اور اس فریضے کی ادائیگی کے لیے قرآن کریم نے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس میں ایک طرح کی وارننگ ہے کہ یتامیٰ کے اموال کے تئیں ذرہ برابر نیت میں فتور نہ آئے۔اس کو قرآن کریم نے اس طرح پیش کیا ہے:

وَلاَ تَقْرَبُواْ مَالَ الْيَتِيمِ إِلاَّ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ[21]

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے اس رشد کو پہنچ جائے۔

اسی تعلق سے قرآن کریم میں مزید کہا گیا:

وَآتُواْ الْيَتَامٰى أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَتَبَدَّلُواْ

اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور پاک

الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوباً كَبِيْراً[22]

اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو اور اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر کھانہ جاؤ بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا ہے کہ یتامیٰ کے اموال کو اپنے اموال میں شامل کرنا بدترین گناہ ہے۔ان کی بلوغت تک ان کی جائیداد کی حفاظت کی جائے۔اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ گناہ عظیم ہے۔اس گناہ کے لیے ''حوب'' کا لفظ آیا ہوا ہے۔یعنی یہ ایسا بدترین عمل ہے جس کی شدت وشناعت سوچ کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ سنگینیت کا ذکر دوسری آیت میں یوں ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِيْ بُطُونِهِمْ نَاراً [۲۳]

جو لوگ ناحق (ظلم) سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں اور اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔

ان کے علاوہ بھی بے شمار آیات کریمہ میں یتیموں کے مسائل کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ یہ انسانی اقدار کا وہ پہلو ہے جس پر قرآن کریم نے غیر معمولی توجہ دی ہے۔ لیکن ان تمام آیات میں اختصاص مسلم یتیموں پر نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر مکتب فکر کے یتامیٰ اس میں شامل ہیں۔ قرآن کریم کی محبتیں اور شفقتیں تمام یتیموں کے لیے یکساں ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ یتیم کا رنگ کیا ہے، کس خطے میں اس کی سکونت ہے، اس کی برادری اور اس کا مذہب کیا ہے؟ دین اسلام کو ہر زخم کی مرہم پٹی، ہر دور کا درماں تلاش کرنے کی اسے فکر اور ہر مظلوم و مفلوک کی آواز پر توجہ دینے کا عزم ہے۔ فتح مکہ کے بعد تمام دشمنانِ اسلام کو یہ مژدہ سنایا گیا کہ تم سب آزاد ہو، کیوں کہ دین اسلام میں انتقام کا تصور ہی نہیں، وہ صرف ظلم و تشدد میں اندھے ہوؤں کو آنکھ عطا کرنے کا طالب ہے اور جبر و قہر کی وادیوں میں گم کردہ لوگوں کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کے لیے عازم ہے۔ دین اسلام کی تمام جہتیں معاشرے سے مرتبط ہیں، اجتماعیت اور اتحاد انسانیت اس کی شناخت ہے۔ اجتماعی سرگرمیاں ہی اس کا کلی نصب العین اور سوسائٹی کے نشیب و فراز پر نظر رکھنا اس کا مزاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جس ربوبیت کا داعی ہے اس کا تمام انسانوں سے تعلق ہے۔ اس کا رب ''رب العالمین'' [۲۴] ہے جس کا اعلان قرآن نے بالکل آغاز ہی میں کر دیا۔ اس کتاب الٰہی نے کہیں یہ تصور نہ دیا کہ یہ رب ''رب المسلمین'' ہے اس تمہیدی سورہ کے بعد جب کتاب اللہ کا دوبارہ آغاز ہوتا ہے تو پھر یہی کتاب الٰہی صریحاً آواز لگاتی ہے کہ یہ ''هدًى لِّلْمُتَّقِينَ '' بھی ہے یعنی جسے بھی صداقت، دیانت اور ہدایت کی ضرورت ہو وہ اس کتاب کا تعصب سے بالا تر ہو کر مطالعہ کرے، مطالبہ کی شرط معروضی تفکر و تدبر ہے۔ [۲۵] اس کتاب نے یہ واضح کر دیا کہ یہ '' هدًى لِلْمُسْلِمِيْنَ'' نہیں ہے۔ یہ سارے انسانوں کے لیے نور ہے جو روز قیامت اس کے متبعین کے آگے آگے چلے گا۔ [۲۶] اس کتاب کی تمہید اور آغاز میں یہ تصور موجود ہے کہ اس کا تعلق ساری انسانیت سے ہے۔ اسی طرح اس کا اختتامیہ یا یوں کہیے کہ اس کا نتیجۂ بحث سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ہیں۔ آخری سورہ میں ''الناس'' چھ مرتبہ آیا ہوا ہے۔ اس اختتامیہ میں وسوسوں اور شر ور و فتن سے دور رہنے کی تلقین و تاکید کی گئی ہے۔ [۲۷] یہاں رب المسلمین، ملک المسلمین، الٰہ المسلمین نہیں کہا گیا بلکہ قرآن کریم نے یہ تصور تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ کتاب الٰہی انسانوں سے ہم کلام ہے۔ انسان ہی اس آخری کتاب کا عنوان ہے۔ انسانی اقدار و معاشرتی افکار اس کا سرنامہ ہے۔ گویا اس کتاب کے تمہیدی کلمات،

ابتدائیہ اور اختتامیہ کی وابستگی انسانیت سے ہے۔اس دور رس انسانیت وآدمیت کا نام اسلام اور قرآن ہے۔ نسلی امتیازات اور گروہی عصبیات کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ اپنے پیروکاروں کو Main Streem میں آنے کی تلقین کرتا رہتا ہے۔

اسلام رنگ و نسل اور حسب و نسب کے اعتبار سے کسی کو اعزاز و اکرام نہیں دیتا، اس کے ستائش نامہ کا معیار و محور کارکردگی ہے کیوں کہ تمام لوگوں کے سلسلے حضرت آدم و حضرت حوا علیہا السلام سے ملتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ وضاحت موجود ہے کہ اللہ نے لوگوں کو گروہوں اور قبائل میں تقسیم صرف تعارف کے لیے کیا ہے لیکن اس کی وجہ سے کسی کے درجات میں کوئی اضافہ یا کمی ہو ایسا ہرگز نہیں ہے وہ تمام لوگوں کو چشمہ انصاف سے دیکھتا ہے۔ وہ گوروں اور کالوں میں کسی امتیاز کا قائل نہیں۔ ہاشمی اور غیر عاشمی میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ اس کے یہاں عزت و منزلت کا دار و مدار صرف کارناموں پر ہے۔ اشراف و اجلاف کا تصور اس کے یہاں معدوم ہے۔ اس فکر کو قرآن کریم نے اس طرح پیش کیا ہے:

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقٰكُمْ[۲۸]

اے لوگو! ہم نے تم لوگوں کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم لوگوں کو کنبوں اور قبائل میں بانٹ دیا تاکہ تم پہچانے جاؤ۔ یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل اکرام متقی ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ نیز خطبہ حجۃ الوداع میں انسانیت کا ایک واضح تصور موجود ہے۔ مغرب نے قومیت و وطنیت کا تصور دے کر انسانوں کو مختلف خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ یہی کام اقوام متحدہ کرتی ہے کیوں کہ مغرب بالخصوص امریکہ کے زیر سایہ ہے۔ مغربی ممالک اپنے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔ انھیں انسانی اقدار سے کوئی غرض نہیں، انھیں اپنی منڈی کا خیال ہر وقت ستاتا رہتا ہے۔ اسی کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی اقدام کرتے ہیں۔ اسرائیل کا استحکام اور فلسطینیوں پر قہر ڈھانا اہل مغرب کا شیوہ ہے۔ بلاد عربیہ کو یرغمال بنانا ان کا اولین مقصد ہے، دین اسلام اس طرح کے انسانیت سوز مظالم کا معاند ہے۔ وہ تو اس قدر انسانیت نواز ہے کہ " وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا "[۲۹] کی تعلیم دیتا ہے یعنی دنیا کے تمام لوگوں سے ایک مومن کا تخاطب محبت آمیز اور تکلم لطف اندوز ہو۔ اپنی بات، اپنے انداز اور زاویہ کلام سے لوگوں کا دل جیت لے۔ اس کی باتیں لوگوں کے لیے قرار جاں ثابت ہوں۔ باتوں میں ایسی لذت اور ایسی کشش ہو کہ عوام الناس اس میں کھو جائیں۔ حدیث میں خوش گفتاری صدقہ ہے۔ قرآن کریم میں خوش کلامی کا اس قدر پاس و لحاظ ہے کہ فرعون جیسے قاتل اور سفاک سے بھی نرم روی کی بات کی گئی ہے اسے اس طرح مخاطب کیا

جائے کہ اس میں درشتی اور کسی طرح کی شدت نہ ہو، جو دین خون آشاموں سے بھی خوش گفتاری کا حکم صادر کرے۔ وہ ایک عام شخص سے کیوں کر سخت کلامی کا حکم صادر کر سکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَقُولَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ [30]

پس تم دونوں اس (فرعون) سے نرم لہجے میں بات کرو، شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔

فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی گفتگو کے لیے قرآن کریم نے ''قول لین'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کی گفتگو میں ملائمت اور ملاحت ہو، لہجے میں شستگی اور شگفتگی ہو، جسے سن کر انشراح قلب کا احساس ہو، دل آزاری کا شائبہ تک نہ ہو، قرآن کریم نے انسانوں کی تکریم کا پورا پورا خیال کیا ہے۔ توقیر و تکریم اس کا پیدائشی حق ہے لیکن آج کے سپر پاورز نے تکریم انسانیت کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ کہیں بم برساتے ہیں، معصوموں پر گیس چھوڑ کر انھیں ابدی نیند سلا دیتے ہیں یا حالتِ معذوری میں زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ امریکہ کو عراق اور لیبیا کی فکر رہی لیکن روہنگیا کے مسلمانوں کے اجتماعی قتل یا انھیں زندہ جلائے جانے پر اسے کوئی فکر نہ ہوئی۔ قبلہ اول پر دسترس حاصل کرنا ان کا منصوبہ ہے۔ جونیر بش نے تو یہ تک اعلان کر دیا تھا کہ جو ہماری پالیسی کی حمایت نہ کرے گا وہ دہشت گرد ہے۔ کتنے بے گناہوں کو امریکہ موت کے گھاٹ اتارتا ہے لیکن خود کی زبان میں انسانیت نواز اور محافظ تکریم انسانیت ہے۔ یہ سب کچھ دسیسہ کاری کے سوا کچھ اور نہیں۔ قرآن کریم کے نزدیک ایک جان کے جانے کی کیا قیمت ہے اور ایک جان کو قتل ناحق سے بچا لینے کو قرآن کریم کس انداز سے دیکھتا ہے ملاحظہ ہو:

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِك كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِيْ الأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ أَحْيَاها فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعاً [31]

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالی تو گویا اس کے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچا لے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔

جس دین نے یہ تصور دیا ہو کہ بلاوجہ کسی کو قتل کرنا پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔، اسی طرح ایک معصوم کو قتل ہونے سے بچا لینا پوری انسانیت کے بچانے کے مثل ہے۔ اتنا اعلی تصور اور بنی نوع انسان کے تئیں یہ جذبہ صادق اور انسانی جان کی اس قدر و قیمت کا تصور کسی مذہب میں موجود نہیں ہے۔ اس احترام انسانیت کا اعلان اسلام نے اسی دن کر دیا تھا جس دن پہلی بار زمین پر کسی انسان کا خون ناحق بہایا گیا

تھا۔ قرآن کریم اس محترم و موقر انسانیت کی تشہیر کا خو گر ہے۔ وہ ایک ایسی دنیا تشکیل دینے کا خواہاں ہے جہاں امراء اور غرباء دونوں سکون سے رہ سکیں اور دونوں کے حقوق کی پاسداری ہو۔ لیکن اس قرآن کو انسانیت کا دشمن بتایا جارہا ہے۔ مستشرقین کے نزدیک یہ کتاب جہاد ہے جو اپنے متبعین کو دیگر قوموں پر بالادستی دلانے کا خواہش مند ہے جب کہ یہ کتاب فطرت اور کتاب ہدایت ہے اور اس کی ہدایت ہر انسان ہر خطے اور ہر عہد کے لیے ہے۔ یہ کتاب کسی خاص گروہ کو مخاطب نہیں کرتی بلکہ بنی آدم کے ہر فرد سے یکساں مخاطب ہے۔ جیسا کہ سورۃ الانعام میں ارشاد ربانی ہے:

إِنْ هوَ إِلاَّ ذِكْرَى لِلْعَالَمِيْنَ [۳۲]

یہ تو صرف تمام جہانوں کے واسطے ایک نصیحت ہے۔

اسی طرح سورۃ المدثر میں قیامت کی ہولناکیوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے قرآن کریم نے لوگوں سے چشم بصیرت کی درخواست کی ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر زندگی اور آخرت کے حقائق کی بازیافت ناممکن ہے۔ یہی واحد کتاب ہے جو سچائیوں کو دکھاتی ہے۔ مقصد تخلیق اور تشکیل کائنات کو سمجھاتی ہے اسی لیے قرآن کریم کی تعریف وتذکیر کے متعلق اللہ کہتا ہے:

وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْبَشَرِ [۳۳]

یہ تو کل بنی آدم کے لیے سراسر پند و نصیحت ہے۔

اسی سورہ الحاقہ میں قیامت کے شدائد کو کھولتے ہوئے یہ وضاحت کی گئی کہ یہ کتاب ہدایت قیامت کے جن مناظر یا جہنم کی جن سختیوں کی تفصیلات بیان کرتی ہے ان میں قطعاً شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس تناظر میں قرآن کریم کی تصدیق اس طرح کی گئی ہے:

وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ [۳۴]

یہ (قرآن کریم) متلاشیانِ حق کے لیے رہنما ہے۔

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک کے لیے منبع ہدایت قرار دیا ہے اور یہ وہ چشمہ ہدایت ہے جو تمام لوگوں کو یکساں سیراب کرتا ہے۔ اس پر تمام خطوں کے باسیوں کا برابر کا حق ہے۔ جس کا اظہار قرآن کریم میں مختلف انداز سے مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔ یہی مفہوم سورہ بقرہ میں یوں ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيَ أُنزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هدًى لِّلنَّاسِ [۳۵]

ماہِ رمضان میں قرآن کریم کا نزول ہوا جو لوگوں کے لیے ہدایت نامہ ہے۔

یہاں قرآن کریم کی عمومیت کے استدلال کے لیے چار آیات ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جب کہ ان کے علاوہ بھی ایسی متعدد آیات ہیں جن سے یہ پتا چلتا ہے کہ قرآن کریم تمام اقوام کے لیے ہے اور اسی سے استقامت کے چشمے پھوٹتے ہوئے صراط مستقیم بن جاتے ہیں۔ نور اور ظلمت کے مابین فرق کے لیے سب سے موثر ترین یہی کتاب ہے۔ اس کی اہمیت اور افادیت کے لیے مزید آیات کریمہ کا بھی سہارا لیا جاسکتا ہے۔ صرف وضاحت یہ مقصود ہے کہ دین اسلام نے انسانی اقدار کا قدم قدم پر لحاظ رکھا ہے۔ بلکہ انسانی فطرت اور معاشرتی اقدار کا دوسرا نام اسلام ہے۔ حدیث میں اسے دین فطرت اور قرآن کریم میں دین قیم کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی کوئی شق فطرت سے متضاد نہیں ہے۔ جس طرح قرآن کریم کے مخاطب انسان ہیں اسی طرح یہ بھی بتایا گیا کہ بیت اللہ کا انتساب تمام نوع انسانی سے ہے۔ انسانوں کی روحانی وابستگی کی تنہا جائے اولیں ہے۔ انسانوں کے لیے باعث برکت اور ذریعہ ہدایت ہے۔ یہ بات بالکل مبنی بر حقیقت ہے کہ بیت اللہ پر تمام حقوق ملت اسلامیہ کے ہیں۔ لیکن قبولیت ایمان کے بعد دنیا کا ہر شخص اس کی برکتوں سے محظوظ ہو سکتا ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكاً وَهدًى لِّلْعَالَمِيْنَ[۳۶]

بیشک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا، یہ وہی ہے جو مکہ میں ہے سارے جہانوں کے لیے باعث برکت اور ہدایت ہے۔

پورے قرآن کریم میں مختلف اسالیب میں انسانیت کی نمائندگی کی گئی ہے۔ اس کے احساسات اور معاملات کو دقت نظر سے دیکھا گیا ہے۔ کیا یہ انسانی رشتوں کا پاس ولحاظ نہیں ہے کہ ایک طویل سورہ کا نام ''النساء'' ہے جس میں مختلف نسائی مسائل کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اور عورتوں کے مقام و مرتبہ کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بالعموم اسلام پر یہ الزام عائد کیا جاتا رہا ہے کہ اس میں عورتوں کی آزادی کو سلب کر لیا گیا ہے۔ جب کہ ایسا ہر گز نہیں ہے۔ یہیں سے تو آزادئ نسواں کی ابتداء ہوتی ہے۔ علامہ ابن قیم نے ازواج مطہرات کے شب و روز کو یوں بیان کیا ہے:

''نبی ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت محبت اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے۔ حضرت عائشہ کے پاس انصار کی لڑکیاں جمع ہو جاتیں اور آپ ﷺ اُن کو ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے چھوڑ دیتے۔ اگر وہ کسی ایسی بات کی خواہش کرتیں جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی تو آپ ﷺ ان کی خواہش پوری کر دیتے۔ وہ جس برتن سے پانی پیتیں آپ ﷺ بھی اس برتن سے ان کو منھ لگانے کی جگہ منھ لگا کر پانی پی لیتے۔ جس ہڈی کو وہ چوستیں اس ہڈی کو آپ ﷺ بھی لے کر چوستے۔

ایک مرتبہ اہل حبشہ مسجد نبوی میں اپنے کرتب دکھا رہے تھے۔آپ ﷺ نے حضرت عائشہ کے لیے اس کا موقع پیدا فرمایا کہ وہ آپ ﷺ کے کندھے کی اوٹ سے ان کے کرتب دیکھ لیں۔ دو مرتبہ آپ ﷺ سفر کے موقع پر ان کے ساتھ دوڑے بھی۔آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو۔اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔ نماز عصر پڑھ کر آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ تمام ازواج کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کی خیر خیریت دریافت فرماتے۔ پھر شب میں جس کی باری ہوتی اُن کے یہاں قیام فرماتے''۔[۳۷]

یہاں تو دین اسلام میں صرف جنسی اشتہاء، زنا اور بے پردگی پر قدغن ہے، جنسی بے راہ روی کی اسلام میں بالکل اجازت نہیں ہے۔ نسائی تقدس اور پاکیزگی کا اسلام نگہبان ہے۔ قوام سے حاکمیت بالکل مراد نہیں ہے صرف تحفظ مراد ہے اگر عورت گھر میں پیسے لاتی اور گھر چلاتی ہے تو مرد کی قوامیت بھی متاثر ہو گی۔ ''هن لباس لكم وانتم لباس لهن'' کہہ کر یہ بات ثابت کر دی گئی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے انتہائی ناگزیر ہیں۔ زندگی میں ایک پہیے سے برق رفتاری آہی نہیں سکتی۔ یہ بات یہاں پیش نظر رہے کہ اس آیت کریمہ میں عورتوں کا مردوں کے لباس ہونے کا ذکر مقدم ہے اس میں ایک خاص نزاکت ہے بالکل اسی طرح جیسے کہا جاتا ہے کہ ماں کی گود بچے کا پہلا مکتب ہے، ایک عورت جس سلیقے سے گھر کو آراستہ کرتی ہے وہ ایک مرد نہیں کر سکتا۔ وہ اندر ہی اندر ایسے کمالات دکھاتی ہے جس سے مرد کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے گویا اسلام میں جو عائلی عظمت عورت کو میسر ہے وہ ایک مرد کو بالکل نہیں۔ عقاد نے اپنی کتاب ''المرأة في القرآن'' میں اسلامی اور طبّی اعتبار سے مرد اور عورت کا موازنہ علمی انداز میں کیا ہے۔

قرآن کریم میں سورہ ''الطلاق'' ہے جس میں طلاق دینے کا بہترین طریقہ بتایا گیا ہے اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ طلاق کی وجہ سے ایک عورت کی شخصی حیثیت متاثر نہ ہو اس کا اسلام نے خصوصی خیال رکھا ہے۔ طلاق گو کہ اسلام میں سب سے ناپسندیدہ عمل ہے لیکن اللہ نے یہ حل دو زندگیوں کو تباہ ہونے سے بچانے کے لیے پیش کیا ہے۔ طلاق کا جو طریقہ کار اسلام میں ہے وہ کسی اور مذہب یا تہذیب میں نہیں ہے۔ مسئلہ طلاق میں قرآن کریم کا مطلوبہ طریقہ کار یہ ہے کہ عورت کو نکاح میں رکھا جائے یا عزت وآبرو کے ساتھ اسے علاحدہ کر دیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهنَّ فَأَمْسِكُوهنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهنَّ بِمَعْرُوفٍ[۳۸]

پس جب یہ عورتیں اپنی مدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انھیں یا تو قاعدہ کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے دو یا دستور کے مطابق انھیں الگ کر دو۔

اسی طرح قرآن کریم میں شورۃ الشعراء ہے جس میں شعراء کے اصول و قواعد سے بحث کرتے ہوئے بتایا گیا کہ قرآن کریم کے نزدیک ایسی شاعری ناپسندیدہ ہے جس میں فحاشی اور جنسیت کو ہوا دی گئی ہو۔ قرآنی نقطہ نظر سے وہ شاعری راجح ہے جس میں انسانی اقدار کو منظوم کیا گیا ہو اور معاشرتی محاسن کو نکتہ ارتکاز بنایا گیا ہو، جو تعمیری افکار سے مزین اور تخریبی اقدامات سے گریزاں ہو۔ یہ تمام اقدار شعراء الرسول کی شاعری میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ مولانا سعید الرحمن اعظمی نے اپنی تصنیف ''شعراء الرسول'' میں دربار رسالت کے شعراء کے رجحانات و خیالات کا قابل قدر تجزیہ کیا ہے۔ اسی طرح ایک سورہ ''المنافقون'' ہے جس میں نفاق کے کریہہ مناظر کو پیش کیا گیا ہے۔ نفاق ایک مہلک عادت ہے جو معاشرے کے لیے گھن کے مترادف ہے۔ منافق معاشرے کے لیے ناسور ہے اسے انسانی ہمدردی اور انسانی دوستی سے کوئی غرض نہیں۔ منافق دراصل مخلص کی ضد ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں سورہ اخلاص بھی ہے جس میں حکم ربانی ہے کہ انسان وحدانیت کے تئیں مخلص ہو اور جو اللہ کے لیے مخلص و موحد ہوگا وہ عباداللہ کے باب میں بھی دردمند ہوگا اور عباداللہ کے دکھ درد میں کھڑا ہوگا۔ قرآن کریم کی ایک سورہ ''تکاثر'' کے عنوان سے ہے جس میں ہوس زر کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ تاکہ وہ ادخار سے احتراز کرتے ہوئے اللہ کے بندوں کے کام آئے۔ اور انفاق کو اپنی زندگی کی شناخت بنائے۔ قرآن کریم میں بخالت کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِه فَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[۳۹]

اور جس نے اپنے آپ کو بخالت سے بچالیا پس وہی فلاح یاب ہے۔

قرآن کریم میں مال و جان سے اہل خاندان اور غرباء کی مدد کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ اپنے بچوں کو تونگر بنا کر دنیا سے جاؤ۔ لیکن افسوس کہ مادیت نے تنہاخوری کی لت کو اس قدر عام کر دیا ہے کہ والدین کی تمام تر عنایات صرف اپنی ذات تک محدود ہوتی جارہی ہیں۔ بیٹے بیٹیاں اس کے حصار محبت سے خارج ہو چکی ہیں۔ ٹائمز آف انڈیا کے مطابق مغربی والدین اپنی بیٹی کو گھر میں اس لیے داخل ہونے نہیں دے رہا ہے کہ اس نے کئی ماہ سے کرایہ کی ادائیگی نہیں کی ہے، وہ زینے پر بیٹھی ہوئی اشکبار ہے لیکن آنسوؤں کی یہ برسات مغربی والدین کی مادیت اور قساوت کو پگھلانے سے قاصر ہے۔ یہی ٹائمز آف انڈیا مزید لکھتا ہے کہ مادیت پسند مغربی والدین نے اپنے نوزائیدہ اور شیر خوار بچے کے سر کو ہاکی سے مار مار کر توڑ ڈالا، جب جیل گئے تو عدالت میں اپنا بیان ریکارڈ کراتے ہوئے ان قسی القلب والدین نے بتایا کہ ہماری ذاتی زندگی میں مخل ہو رہا تھا اور رو رو کر ہمارے سکون کو غارت کر رہا تھا یہ ہے مغرب کا عائلی تصور جس نے خانگی قدروں کو پاش پاش کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں ایسے بے شمار بچے عہد معصومیت میں دریوزہ گری

پر مجبور ہیں جن کے والدین کا کوئی اتا پتا نہیں۔ تفریح گاہوں، تقاریب اور رقص و سرود کی محفلوں سے والدین خود تنہا لطف اندوز ہوتے ہیں۔ سب سے اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا اختتام سورۃ الناس پر ہوا ہے گویا انسان قرآن کریم کا اساسی نکتہ ہے۔ انسان اس کی غایت ومنتہا ہے۔ قرآن کریم کا اساسی موضوع انسان ہے۔

مختصر یہ کہ قرآن کریم میں معاشرتی اقدار پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ بنی نوع انسان کے تمام فرشتوں کو قابل اعتماد قرار دیا گیا ہے۔ رشتوں کی کیا قدر ہے۔ وہ اسے کس نقطہ نظر سے دیکھتا ہے؟ قرآن کی مندرجہ ایک آیت سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ انسانی رشتے اس کے نزدیک دنیا کی تمام چیزوں سے اہم ترین ہیں۔ دنیا کے تمام تقدسات سے زیادہ مقدس ہے۔ یہی تقدسِ انسانی اس مضمون کا مسک الختام ہے:

يٰأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَنِسَاء وَاتَّقُوْا اللهَ الَّذِىْ تَسَائَلُونَ بِه وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً[۴۰]

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

رشتوں کی اہمیت کو حدیث رسول ﷺ میں اجاگر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اگر کوئی رزق میں کشادگی اور موت میں تاخیر کا خواہاں ہے تو وہ رشتوں کو جوڑنے کی کوشش کرے۔ مذکورہ آیت کریمہ اور حدیث کی روشنی میں دین اسلام کا یہ زاویہ نظر سامنے آگیا کہ رشتوں کا پاس ولحاظ صرف انتہائی ضروری ہی نہیں بلکہ جزء ایمان ہے۔ رشتوں سے بے اعتنائی و بے التفاتی عند اللہ باعث احتساب ہو گی۔

* * * * *

حوالہ جات

[1] ۔قصص: ۷۷
[2] ۔آل عمران: ۱۱۰
[3] ۔تحریم: ۶
[4] ۔بقرۃ: ۲۰۸
[5] ۔آل عمران: ۱۰۳
[6] ۔بقرۃ: ۱۹۱
[7] ۔بقرۃ: ۲۱۷
[8] ۔ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر، قرآنی اصطلاح فساد فی الارض، ایک جائزہ {مطالعات قرآن}، اورا پرنٹرپرس اینڈ پبلشر، نئی دہلی، جولائی ۲۰۰۵ء، ص: ۱۰۷۔۱۳۰
[9] سعید احمد ایم اے، الرق فی الاسلام، ، ندوۃ المصنّفین ، نئی دہلی (بدون تاریخ)، صفحہ: ۲۵۸ ، اس کتاب میں مولانا اکبرآبادی نے موضوع سے متعلقہ عربی مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے معرکہ آراء بحث کی ہے، لیکن اس موضوع پر سرسید کے بعض خیالات سے مولانا کی عدم اتفاقی مدلل نہیں ہے۔
[10] ۔رشید رضا، تاریخ الاستاذ ، الطبعۃ الاولی، مطعبۃ المنار، مصر، ۱۳۶۷ھ، ۱۵۱/۲۔۲۵۲
[11] ۔محمد سعود عالم قاسمی، ڈاکٹر ، مرتبہ: مولاناسعید احمد اکبرآبادی، احوال وآثار ، شعبہ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ مطبع مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ پریس، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۳۷۔۱۵۱
[12] ''مقالاتِ سرسید'' کے مختلف مضامین میں تعصب کو مختلف پہلوؤں سے ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ سرسید نے یہ نقطہ نظر بھی پیش کیا ہے کہ غیر مسلمین کی علمی روایات سے استفادہ نہ کرنا غیر اسلامی عمل ہے۔
[13] ۔''فک رقبۃ'' کامفہوم یہ ہے کہ ابطال غلامی کے لیے سرتوڑ کوشش کی جائے، دیکھیے: تفسیر احسن البیان(ثم تفسیر احسن البیان بعون اللہ وفضلہ رجب ۱۴۱۵ھ/الموافق ینایر۱۹۹۵ء)، دارالسلام، ریاض، ص: ۱۴۰۹
[14] ۔بلد: ۱۰۔۱۶
[15] ۔مولانا جلیل احسن ندوی نے سفینۂ نجات، مولانا محمد فاروق خاں نے ''کلام نبوت'' اور ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی نے ''تدبر حدیث'' میں حسن اخلاق اور انسانیت کے موضوع پر بے شمار احادیث نقل کی ہیں۔ ڈاکٹر اعظمی کے ''تدبر حدیث'' کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ حدیث کی تائید میں آیات کریمہ بھی نقل کی گئی ہیں۔اس کتاب کی روشنی میں یہ نکتہ بیان کیاجاسکتا ہے کہ حدیث کی صحت وسقم کی پرکھ کے لیے قرآن کریم اولین مصدر ہے یہی حقیقی میزان ہے جو حدیث کی پہچان طے کرتا ہے۔قرآن اور حدیث و سنت میں کیا ارتباط ہے مولانا امین احسن اصلاحی نے ''مبادئ تدبر حدیث'' میں

مدلل بحث کی ہے۔ دیکھیے: مبادیٔ تدبر حدیث، امین احسن اصلاحی، (ترتیب: ماجد خاور) فاران فاؤنڈیشن لاہور، پاکستان ، طبع دوم، شوال ۱۴۱۴ھ/مارچ ۱۹۹۴ء، صفحات: ۱-۱۵۷، اگر قرآن کریم کو سامنے رکھتے ہوئے احادیث کے معیار پر گفتگو کی جاتی تو مولانا فراہی ، امین احسن اصلاحی اور مولانا محمد اسلم جیراجپوری کو منکرینِ حدیث کی صف میں نہ کھڑا کیا جاتا۔

۱۶ ۔ حج:۲۸

۱۷ ۔مولانا امین احسن اصلاحی نے" البائس الفقیر" کاترجمہ"فاقہ کش فقیر" کیاہے۔امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، بار اول ۱۹۸۹ء، ۲۳۷/۵

۱۸ ۔حافظ صلاح الدین یوسف، تفسیر احسن البیان، (ترجمہ: خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی، نظر ثانی مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری) دارالسلام، ریاض(بدون تاریخ)، ص:۱۴۲۹

۱۹ ۔ ماعون:۲۔۳

۲۰ ۔ ضحیٰ:۹۔۱۰

۲۱ ۔ انعام: ۱۵۲

۲۲ ۔ نساء:۲

۲۳ ۔ نساء:۱۰

۲۴ ۔مولانا آزاد نے لفظ "رب" پر تفصیلی بحث کی ہے،ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی، پہلی بار ۱۹۶۴ء، ۲۱/۱۔۷۵

۲۵ ۔امام حمیدالدین فراہی، تفسیر قرآن کے اصول، (ترتیب وترجمہ: خالد مسعود) ادارہ تدبر قرآن وحدیث، لاہور، ص ۱۳۔۲۳،قرآن کریم میں تدبر کے اصول کیا ہیں؟ اس موضوع کے لیے دیکھیے: مبادی تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ، پاکستان، (صفحات: ۲۱۸) نیز دیکھیے: تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان، جون ۱۹۸۵ء، رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ، ۳۹/۱۔۴۰

۲۶ ۔یہ مفہوم سورہ التحریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: يَوْمَ لَا يُخْزِيْ اللهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ(التحریم:۶۶/ ۸)(جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ایمان والوں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوانہ کرے گا، ان کا نور ان کے دائیں دوڑ رہا ہو گا یہ دعائیں کرتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمیں کامل نور عطا فرما اور ہمیں بخش دے یقیناتو ہر چیز پر قادر ہے۔)

۲۷ ۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، تاج کمپنی، دہلی، بار اول، ۱۹۸۹ء، ۶۵۵/۹۔۶۵۸

۲۸ ۔ حجرات:۱۳

۲۹ ۔ بقرۃ: ۸۳

۳۰ ۔ طہٰ:۴۴

۳۱ ۔ مائدہ:۳۲

[۳۲] ۔ انعام:۹۰

[۳۳] ۔ مدثر: ۳۱

[۳۴] ۔ حاقۃ:۴۸

[۳۵] ۔ بقرہ: ۱۸۵

[۳۶] ۔ آل عمران:۹۶

[۳۷] ۔ابن قیم ،زادالمعاد، ، جلد نمبر ا ،ص۳۸، بحوالہ مقالات اصلاحی، امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور پاکستان، طبع اول صفر ۱۴۱۴ھ، اگست ۱۹۹۱ء، ۳۸/۱

[۳۸] ۔ طلاق:۲

[۳۹] ۔ حشر:۹

[۴۰] ۔ نساء:۱

منابع وماخذ

۱. اصلاحی،امین احسن، مقالات اصلاحی فاران فاؤنڈیشن،لاہور پاکستان، طبع اول،اگست ۱۹۹۱ء

۲. اصلاحی،امین احسن،تدبر قرآن،تاج کمپنی،دہلی، باراول،۱۹۸۹ء،

۳. آزاد،ابوالکلام،ترجمان القرآن،ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی، باراول،۱۹۶۴ء

۴. صلاح الدین یوسف،حافظ، تفسیر احسن البیان،دارالسلام،ریاض،۱۴۲۹

۵. رشید رضا،تاریخ الاستاذ،الطبعۃ الاولی،مطعبۃ المنار، مصر،۱۳۶۷ھ

۶. محمد سعود عالم قاسمی، ڈاکٹر ، مرتبہ :مولاناسعید احمد اکبرآبادی، احوال وآثار ،شعبہ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ پریس،ہندوستان،۲۰۰۵ء

۷. اصلاحی،ابوسفیان، ڈاکٹر،قرآنی اصطلاح فساد فی الارض، ایک جائزہ {مطالعات قرآن} ،اروراپرنٹر پرس اینڈ پبلشر، نئی دہلی،جولائی ۲۰۰۵ء،

۸. سعید احمد ایم اے،الرق فی الاسلام،ندوۃ المصنّفین، نئی دہلی، س ن